Fikr-o-Nasar (Islamabad) 16:1 (1978)

صوفی اور تصوف کی تاریخ
ایک اجمالی جائزہ

ڈاکٹر سید زاھد علی واسطی

صوفی ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے۔ مگر جب ہم اس لفظ کا ماخذ تلاش کرتے ہیں تو منزل کٹھن نظر آتی ہے۔ صرف صوتی مشابہت کی بنا پر یا معنی کی مطابقت سے اندازہ لگاکر فیصلہ کرنا مناسب نہیں۔ لفظ کو قواعد کے اصول و ضوابط کے معیار پر بھی پرکھنا چاہئے۔ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں سب سے پہلے مولانا شبلی نعمانی نے لفظ صوفی کو ابوریحان البیرونی کی تصنیف ''کتاب الہند،، سے نسبت دے کر اس کو یونانی الاصل کہا جیسا کہ مولانا نے اپنی کتاب الغزالی کے باب تصوف میں تحریر فرمایا ہے۔ ,,اس بحث کے خاتمہ میں یہ راز بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ تصوف لفظ اصل میں 'سین، سے تھا اس کا مادہ سوف تھا۔ جس کے معنی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ھجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو یہ لفظ عربی میں آگیا۔ رفتہ رفتہ 'سوفی، سے 'صوفی، بن گیا۔ یہ تحقیق علامہ البیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے،، (مولانا شبلی نعمانی۔ کتاب الغزالی۔ افضل المطابع دھلی۔ ص ۱۵۲)

ہم مولانا کی اس رائے سے متفق نہیں۔ اگر 'صوفی، یونانی زبان سے لیا گیا ہے تو ظاہر ہے Philos - Soph[1] یا Sophist کے ترجمہ سے عربی زبان میں آیا ہوگا۔ مگر ان الفاظ کو عربی میں ترجمہ کرکے 'سین،

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

۴ - ماثر الامراء، ج ۱، ص ۶۶۹ -
۵ - هندوستان کی قدیم اسلامی درسگاهیں، ص ۱۲۹ - ۱۳۰ -
۶ - ماثر الامراء، ج ۱، ص ۲۶۹ -
۷ - پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ص ۴۲۶ - ۴۲۷، بحر العرفان کا ایک قلمی نسخه کتب‌خانه تحقیق کشمیر سری نگر میں محفوظ ہے - ۱۳۸۱ھ میں اس کی ایک جلد شائع ہوئی ہے-
۸ - فارسی ادبیات میں هندوؤں کا حصه، ص ۲۹۴ (ملخص) -
۹ - سوانح مولانا روم، ص ۱۴۲ -
۱۰ - ایضاً، ص ۱۶۲ -
۱۱ - مولانا روم کے ملفوظات کا مجموعه ''فیه ما فیه،، پہلی بار مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تصحیح و تقدیم سے ۱۹۲۸ء میں شائع هوا -
۱۲ - اقبالنامه حصه اول، ص ۲۷ - ۲۸، خط بنام محمد حسین عرشی مکتوبه ۱۹/ مارچ ۱۹۳۵ء - ''رومیں ایک مدت سے مطالعه کتب ترک کر چکا هوں اگر کبھی کچھ پڑھتا هوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی،،
۱۳ - کلیات اقبال، ص ۴۸۷ -
۱۴ - فارسی گویان پاکستان، ۴۰۱ -
۱۵ - مجله آریانا - کابل (افغانستان) سال ۳۴، شماره ۲ -

(مطبوعہ : ۱۳۲۴ھ) اور محمد نذیر عرشی کی ''مفتاح العلوم،، بہت نمایاں ہیں۔

پنجابی میں مثنوی کا منظوم ترجمہ چند شاعروں نے کیا ہے جن میں سے مولوی شاہ محمد دین قادری سیالکوٹی کا ترجمہ (تالیف : ۱۳۰۷ھ) چھپ چکا ہے۔ اس سے بہت پہلے ایک ترجمہ شائع ہوا تھا جس کے ناشر نے مترجم کا نام ظاہر نہیں کیا۔ درسی مقاصد کے لئے نثر میں دفتر اول کو چودھری محمد افضل خان مرحوم نے پنجابی میں منتقل کیا۔

سندھی میں غلام محمد شاھوائی نے مثنوی کا ترجمہ کیا لیکن کامل مثنوی کے ترجمے کی سعادت مولانا دین محمد ادیب فیروز شاھی (م ۱۳۹۳ھ) کے حصہ میں آئی۔ ان کا ترجمہ ''اشرف العلوم،، شائع ہو چکا ہے۔(۱۴)

کشمیری میں منتخب حصوں کا ترجمہ میر سید شمس‌الدین‌حیرت (م۱۳۸۸ھ) نے شروع کیا تھا۔ ابتدائی دو دفتروں سے ترجمہ کر چکے تھے کہ پیغام اجل آگیا اور ان کا یہ کام ناتمام رہ گیا۔(۱۵)

پشتو میں مثنوی کا مکمل ترجمہ تو نہیں ہوا البتہ پہلے دو دفاتر کے ترجمہ ''اسرار العلوم،، کا ایک قلمی نسخہ پشتو اکیڈمی پشاور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمہ ہنگو کے مولانا عبد الجبار بنگش کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ حال ہی میں عبدالاکبر خان اکبر کا منتخب حصوں کا نثری ترجمہ شائع ہوا ہے۔ ان کے علاوہ رسائل و جرائد میں مثنوی کی کئی حکایات کا ترجمہ مختلف اوقات میں چھپا ہے۔

حواشی

۱۔ سوانح مولانا روم، ص ۵۲۔
۲۔ اخبار الاخیار، ص ۱۲۹۔
۳۔ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ)، ص ۲۶۱۔

ہونے لگا ۔ فارسی کی دوسری اہم کتابوں کے ساتھ مثنوی کو بھی ترجمہ کا جامہ پہنایا جانے لگا ۔ برصغیر کی زبانوں میں سب سے زیادہ تراجم اور شرحیں اردو ہی میں ملتی ہیں ۔ ۱۲۴۴ھ میں شاہ مستعان علی مدراسی نے مثنوی کے منتخب حصوں کا ترجمہ ''باغ ارم،، کے نام سے کیا جو ۱۲۶۹ھ میں پہلی بار مطبع کریمی بمبئی سے شائع ہوا ۔ اس کے بعد مثنوی کے جزوی ترجمے ہوتے رہے ۔ پہلا مکمل منظوم ترجمہ ۱۲۹۳ھ میں ریاست جاورہ کے ایک عالم مولانا محمد یوسف علی شاہ چشتی نظامی نے مثنوی کی بحر میں ''پیراھن یوسفی،، کے نام سے کیا جو کئی بار منشی نولکشور کے مطبع سے شائع ہوا ۔ ''پیراھن یوسفی،، کی تقلید میں چند اور ترجمے بھی ہوئے ۔ جن میں سیماب اکبر آبادی کا ''الہام منظوم،، (مطبوعہ : مابین ۱۳۴۷ھ تا ۱۳۵۰ھ) اور عبداللہ عسکری رئیس لدھیانہ کا منظوم ترجمہ قابل ذکر ہیں ۔

منظوم ترجموں میں پیرزادہ محمد حسین عارف سہمی کا نام نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ موصوف نے مثنوی کی منتخب حکایات کا ترجمہ ''عقد گوھر یعنی موتیوں کا ھار،، (مطبوعہ : ۱۳۲۰ھ) کے نام سے کیا جس پر دوسرے مشاھیر وقت کے ساتھ ''مرشد رومی،، کے ''مرید ھندی،، علامہ اقبال کی تقریظ چھپی ہے ۔ یہ تقریظ مولانا روم کے بارے میں علامہ کی پہلی تحریر ہے اور غالباً یہی وہ کتاب ہے جو مولانا روم سے علامہ اقبال کی دلچسپی کا سبب بنی ۔

منظوم ترجموں کے ساتھ نثری ترجمے اور شرحیں الگ ہیں ۔ ان میں عبد المجید خان کی بوستان معرفت (تالیف : ۱۹۰۰ء ۔ ۱۳۱۷ھ)، عبدالرحمن راسخ دھلوی کی کتاب مرقوم (مطبوعہ : ۱۳۱۵ھ)، مولوی محمد ابراھیم کی کشف العلوم (مطبوعہ : ۱۳۲۰ھ)، مولانا اشرف علی تھانوی کی کلید مثنوی

تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کردیا چنانچه، دفتر هفتم لکھنے کی کوششیں کی گئیں ۔ برصغیر میں شیخ محمد محدث تھانوی (م ۱۲۹۶ھ) نے ۱۲۷۶ھ میں اختتامیه (دفتر هفتم) لکھا جو ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۷ھ میں زیور طباعت سے آراسته هوا ۔

دوسرا اختتامیه مفتی الٰہی بخش کاندهلوی سے یاد گار ہے جو حاجی امداد الله مہاجر مکی کی فرمائش سے شائع هوا ۔

علامه شبلی کے بعد مطالعه مثنوی کا فکر انگیز انداز علامه اقبال نے اختیار کیا ۔ انھوں نے آخری زمانه حیات میں مطالعه کتب ترک کر دیا تھا اور اگر کچھ پڑھتے تھے تو صرف قرآن مجید اور مثنوی معنوی ۔(۱۲) اقبال کی اکثر منظوم تصنیفات اور خطبات میں مثنوی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور جگه جگه مثنوی سے استشهاد کرتے هوئے اس امر پر زور دیا ہے که ع

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز (۱۳)

علامه کے زیر اثر مولانا روم کے مطالعه افکار کا ایک دبستان پیدا هوا ہے جس کے ایک اهم رکن خلیفه عبد الحکیم مرحوم تھے ۔ خلیفه صاحب کی ''حکمت رومی'' اور ''تشبیہات رومی'' میں اقبال کے نقطه نظر سے مولانا روم کے افکار کی چھان بین کی گئی ہے اور مثنوی کے بہت سے عقدے وا هوئے هیں ۔

مثنوی سے اعتناء کا ایک پہلو یه بھی ہے که برصغیر کی مختلف زبانوں میں اس کے منظوم اور نثری ترجمے کئے گئے هیں ۔ بر صغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط سے فارسی کا چلن کم هو گیا اور اردو کو نئے حکمرانوں کی سر پرستی حاصل هوئی ۔ اردو کے علمی و ادبی سرمایه میں بیش قیمت اضافه

روم کی مبسوط ترین سوانح حیات ترتیب دی۔

مولانا شبلی کے کلامی انداز مطالعہ کے باوجود قدیم متصوفانہ انداز بھی کسی حد تک چلا آرہا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) مثنوی سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں مثنوی کا باقاعدہ درس ہوتا تھا اور مثنوی کے صوفیانہ حقائق و معارف پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ مثنوی سے ان کے شغف اور وارفتگی کا نتیجہ ''حاشیہ مثنوی،، کی صورت میں سامنے آیا۔ انہوں نے مثنوی کا ایک عمدہ نسخہ چھپوانا شروع کیا جس کے ساتھ ان کا حاشیہ طبع ہورہا تھا۔ ابھی دو دفتر ہی چھپے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ باقی دفاتر ان کے ایک مرید مولانا احمد حسن کی نگرانی میں طبع ہوئے۔ مولانا احمد حسن نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حاشیہ کے ساتھ قدیم صوفیانہ شرحوں سے اخذ و اقتباس کرکے نسبۃً طویل حاشیہ ترتیب دیا۔ حاشیہ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ، صحت کتابت کے لحاظ سے بھی یہ طباعت بہت اہم ہے۔

حاجی امداد اللہ جو علمائے دیوبند کے شیخ الشیوخ ہیں ان کے واسطے سے حلقۂ دیوبند میں مطالعہ مثنوی کا ذوق پیدا ہوا۔ ان کے ایک خلیفہ اور حلقۂ دیوبند کے سر آمد روزگار عالم مولانا اشرف علی تھانوی نے مثنوی کی شرح ''کلید مثنوی،، صوفیانہ ذوق کے مطابق ترتیب دی اور یہ انداز نظر موجودہ دور تک چلا آرہا ہے۔

حلقۂ دیوبند کے دو افراد نے مثنوی کا اختتامیہ یا دفتر ہفتم لکھ کر مثنوی دوستی کا ثبوت دیا۔ مثنوی کا دفتر ششم حکایت مکمل ہوئے بغیر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مثنوی کا مطالعہ کرنے والے بہت عرصہ تک دفتر ہفتم کی تلاش میں رہے۔ مثنوی کے ایک شارح مولانا محمد اسماعیل قیصری نے کہیں سے دفتر ہفتم ڈھونڈ بھی نکالا مگر اہل نظر نے اسے مولانا روم کی

مولانا بحرالعلوم کی شرح مثنوی کے بعد بدلے ہوئے حالات کے مطابق مثنوی کا مطالعہ مولانا شبلی نعمانی کی ''سوانح مولانا روم،، سے ہوا جو پہلی بار اگست ۱۹۰۶ء ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا شبلی کے نقطہ نظر سے مثنوی صرف تصوف نہیں بلکہ عقائد اور علم کلام کی عمدہ ترین تصنیف ہے،،(۹) وہ متکلمین کی ''سینکڑوں ہزاروں،، کتابوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ''مسائل عقائد جس خوبی سے مثنوی میں ثابت کئے گئے ہیں (متکلمین کے) یہ تمام دفاتر اس کے سامنے ہیچ ہیں،،(۱۰) چنانچہ مولانا شبلی نے علم کلام کے مختلف مسائل مثلاً ذات باری، صفات باری، نبوت، وحی، معجزہ، روح، معاد، جبرو قدر، آخر میں فلسفہ اور سائینس کے بعض مسائل مثلاً تجاذب اجسام، تجاذب ذرات، تجدد امثال اور ارتقاء کے بارے میں مثنوی کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ مولانا شبلی نے مثنوی کو وحدت الوجودی تشریحات سے چھٹکارا دلایا۔ انھوں نے مثنوی کو امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی تحریک تجدید و احیائے دین سے منسلک کیا ہے۔

''سوانح مولانا روم،، سے مولانا روم کی سوانح حیات اور مثنوی سے ربط و تعلق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ از سر نو انتخاب تیار کئے جانے لگے، شرحیں لکھی گئیں اور مولانا روم کے مواعظ و ملفوظات کی ترتیب و تدوین شروع ہوئی(۱۱) قاضی تلمذ حسین مرحوم سابق ناظم دارالترجمہ حیدآباد نے مولانا روم کی حیات اور کلام پر بھر پور کام کیا۔ انھوں نے ''مرآۃ المثنوی،، کے نام سے مثنوی کا انتخاب کیا جس سے مثنوی کی حکایات میں تسلسل پیدا ہو گیا اور تفہیم مطالب میں سہولت پیدا ہو گئی۔ ان کی یہ تالیف صحت کتابت کے اعلی معیار کے ساتھ ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔ مثنوی کے مطالعہ و تجزیہ کے لئے ''نقد المثنوی،، کے نام سے ایک کتاب لکھی اور ''صاحب المثنوی،، مولانا

بھی لکھیں ۔ اکمل الدین مرزا محمد کامل کشمیری (م ۱۱۲۹ھ) نے ساٹھ ہزار اشعار کی مثنوی ''بحرالعرفان،، تالیف کی ۔(۷) محمد افضل سرخوش کے ہندو شاگرد سوامی بھوپت رائے بیراگی متخلص بہ بیغم (م ۱۱۳۲ھ) نے قصص فقرائے ہند تالیف کی ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی رائے کے مطابق اس مثنوی کی ترتیب خیالات کی نوعیت اور صوفیانہ مسائل کا منبع ''عرفان روسی،، ہے ۔(۸) مثنوی معنوی کے اولین شعر کی مناسبت سے بیغم نے اپنی مثنوی کا آغاز یوں کیا ۔ع

دل طپیدن ها حکایت می کند
چشم خونباراں روایت می کند

ایک دوسرے ہندو شاعر لالہ امانت رائے (م ۱۱۳۵ھ) کی صوفیانہ مثنوی کا آغاز یوں ہوتا ہے ع

ای رفیقاں قصۂ نے بشنوید
نالۂ درد دل وے بشنوید

بارھویں صدی ہجری، برصغیر کے مسلمانوں کے انحطاط، طوائف الملوکی اور بیرونی حملہ آوروں کی وجہ سے افراتفری کا زمانہ ہے ۔ اس عرصہ میں علمی مجالس کی رونق ماند پڑگئی اور مطالعہ مثنوی کے سلسلہ میں کوئی بڑا نام سامنے نہیں آیا ۔ تیرھویں صدی کے نصف اول میں ملا عبد العلی محمد بحرالعلوم (م ۱۲۳۵ھ) نے مثنوی کی مبسوط ترین شرح لکھی ۔ موصوف ملا نظام الدین سہالوی مرتب درس نظامی کے فرزند ارجمند تھے ۔ اپنے والد کی طرح فلسفہ و کلام اور منطق پر عبور رکھتے تھے اور تصوف و سلوک کے لذت آشنا تھے ۔ انھوں نے اپنی بے نظیر شرح میں متقدمین کی متصوفانہ شرحوں کا عطر کشید کر لیا ہے ۔ ان کی شرح معارف طریقت کا ایک گنجینہ ہے اور بجا طور پر متصوفانہ انداز کی شرحوں میں سر فہرست ہے ۔

یعنی گیارھویں صدی میں مثنوی درسی کتاب کی حیثیت اختیار کر چکی تھی ۔ اورنگ زیب کے عہد میں مثنوی شناسی کی رو تیز تر ہوگئی۔ امراء نے بطور خاص دلچسپی لینا شروع کی۔ میر محمد اشرف (م ۱۰۹۷ھ) عالمگیر کے زمانے میں کشمیر کا صوبیدار تھا اور ہمت خاں میر بخشی کی وفات پر بخشئی اول مقرر ہوا تھا ۔ اس نے مثنوی کا ایک انتخاب تیار کیا تھا اور اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوتا تھا ۔(۶)

اورنگ زیب کا ایک رفیق خاص عاقل خاں رازی (م ۱۱۰۸ھ) تھا ۔ اس نے مثنوی کی تقلید میں ایک کتاب ''مرقع،، تیار کی اور مثنوی شناسی میں یگانہ روزگار خیال کیا جاتا تھا ۔ مثنوی کا شارح شکر اللہ خاں خاکسار (م۱۱۰۸ھ) اسی عاقل خاں رازی کا داماد تھا ۔

بارھویں صدی ہجری میں انگنت شرحیں، انتخاب اور فرہنگ تیار کئے گئے ۔ ان سب کا احاطہ مشکل ہے تاہم اس صدی میں محمد عابد کی المغنی (تالیف : ۱۱۰۰ھ)، عبداللہ خویشگی قصوری (م بعد ۱۱۰۶ھ) کی اسرار مثنوی و انوار معنوی (تالیف : ۱۱۰۲ھ)، شاہ محمد افضل الہ آبادی (م ۱۱۲۴ھ) کی حل مثنوی (تالیف : ۱۱۰۴ھ)، شکر اللہ خان (م ۱۱۰۸ھ) کی شرح مثنوی معنوی، خواجہ ایوب پارسا لاہوری کی شرح مثنوی (تالیف : ۱۱۲۰ھ) بہلول کول ابن مرزا خان البرکی جالندھری کی شرح مثنوی (تالیف : ۱۱۲۹ھ) اور ولی محمد اکبر آبادی کی مخزن الاسرار (تالیف : ۱۱۴۰ھ تا ۱۱۴۹ھ) چند اہم شرحیں ہیں ۔ ان کے علاوہ علماء و ادباء کے تذکروں کی ورق گردانی سے ایسے بہت سے لوگوں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے مثنوی پر حاشیے اور شرحیں لکھیں لیکن ان کی کاوشیں دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں ۔

اس دور میں شعراء نے مثنوی سے متأثر ہو کر طویل صوفیانہ مثنویاں

غور ہے کہ ''نماز فجر کے بعد مولانا روم کی مثنوی چار گھڑی تک اس کی مجلس میں پڑھی جاتی تھی اس کے بعد وہ کاموں میں مشغول ہوتا تھا،،(۴)

شاھجہان اور اورنگ‌زیب عالمگیر کا زمانہ مطالعہ مثنوی کے لئے موافق ترین دور تھا ۔ اس دور میں مثنوی کے مطالعہ میں اتنی شدت اور وسعت پیدا ہوئی کہ مثنوی کا مطالعہ عوائد رسمیہ میں شامل ہو گیا ۔ گیارھویں صدی ھجری میں مثنوی کی کئی شرحیں لکھی گئیں ۔ عبداللطیف (م ۱۰۴۸ھ) بن عبداللہ عباسی کی لطائف المعنوی، محمد رضا کی مکاشفات رضوی (تالیف : ۱۰۴۸ھ)، شرح محمد نور اللہ احراری (م ۱۰۷۳ھ) اور شرح شاہ عبدالفتاح (م ۱۰۹۰ھ) چند قابل ذکر شرحیں ھیں ۔

عبداللطیف بن عبداللہ عباسی عہد شاھجہانی کے بزرگ تھے ۔ انھوں نے عمر کا بڑا حصہ مثنوی کے مطالعہ و تجزیہ میں صرف کیا تھا ۔ مثنوی کے مشکل اشعار اور عربی عبارتوں کی تشریح میں ''لطائف المعنوی،، لکھی ۔ اس کے علاوہ مثنوی کے مشکل الفاظ کا فرھنگ ''لطائف اللغات،، کے نام سے تیار کیا تھا اور مثنوی کا ایک مستند نسخہ بھی تیار کیا تھا جس کا نام ''نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ،، رکھا تھا ۔

فن انشا کی کتاب ''خلاصۃ المکاتیب،، (تالیف : ۱۱۰۰ھ) میں ایک باب ''دربیان خوانائیدن اطفال،، ہے جس میں مصنف نے پانچ فنون کی کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔ اخلاق و آداب کی کتابوں کے سلسلہ میں رقمطراز ہے :

''و برای تزکیۂ نفس و تصفیۂ اخلاق، اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، مکاتیب سید شاہ شرف الدین احمد یحیی منیری، نزھت الارواح، مثنوی مولانا روم، حدیقۂ ثنائی بمطالعہ در آورد،،(۵)

کرنا چاھتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے مثنوی کی تلاش و جستجو کی مگر اسے گرد و نواح میں مثنوی کا کوئی کامل نسخہ نہ مل سکا۔ اس لئے ناچار اسے ابوبکر شاشی کے انتخاب پر اکتفا کرنا پڑا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ھے کہ برصغیر کے اھل علم دسویں صدی میں مثنوی کا مطالعہ شروع کر چکے تھے اور مثنوی کے انتخاب ان کے زیر مطالعہ رھتے تھے۔

اکبر کا زمانہ اسیر فتح اللہ شیرازی (م۹۹۷ھ) اور دوسرے معقولات پسند علماء کے زیر اثر ایمان و یقین اور سوز و گداز سے بہت حد تک خالی رھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے صورت حال میں تبدیلی آئی اور معاشرے میں سکون و تسکین کی تلاش شروع ھوئی۔ اس کے زمانہ میں مثنوی علماء کی مجلسوں، صوفیاء کی خانقاھوں اور امراء کے محلوں میں یکساں طور پر پڑھی جانے لگی۔ اس دور میں شاہ ابو المعالی لاھوری (م۱۰۲۴ھ) مثنوی کے ذوق آشنا تھے۔ انھوں نے مثنوی کے کچھ مشکل اشعار کی صوفیانہ رنگ میں شرح لکھی جو انھوں نے شاھزادہ دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) کے حوالے کر دی تھی۔ دارا شکوہ نے اسے اپنی تالیف سکینۃ الاولیاء (تالیف مابین ۱۰۵۲ھ — ۱۰۵۸ھ) میں محفوظ کر دیا۔ شاہ ابو المعالی نے شرح کی تمہید میں لکھا ھے :

''جب مجھے معلوم ھوا کہ مثنوی مولوی معنوی کے بعض اشعار کی تشریح و تفصیل جو متقدمین نے کی وہ اب نایاب و ناپید ھے اور جو تشریح و تاویل متأخرین نے کی ھے وہ صوفیاء کی اصطلاح کے خلاف ھے اس لئے ان اشعار کے دقیق نکتے تشریح کے باوجود سر بستہ رھے۔ ان کی تشریح و توضیح کے لئے میں نے انتہائی کوشش کی،،(۳)

شاہ ابو المعالی جیسے شاعر اور صوفی بزرگ کے ساتھ جہانگیر کے سسر خواجہ جہاں کابلی کے بارے میں صاحب ماثر الامراء کی یہ اطلاع بھی قابل